سلسلۂ مطبوعات معہد الدراسات الاسلامیہ: ۴۰

ندوۃ العلماء کا قائدانہ کردار

عربی زبان وادب کے میدان میں

تحریر

حضرت مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

مہتمم: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر اعلیٰ: البعث الاسلامی

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سن اشاعت: ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰

نام کتاب :ندوۃ العلماء کا قائدانہ کردار عربی زبان وادب کے میدان میں

نام مصنف :حضرت مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

نام مترجم :ڈاکٹر مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی

ناشر :معہد الدراسات الاسلامیہ، اورنگ آباد

کمپوزنگ :محمد اسماعیل

تعداد صفحات :۴۸

قیمت : ۳۵/روپئے

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۲) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام۔ لکھنؤ

(۳) مکتبۃ الشباب العلمیہ، شباب مارکیٹ۔ لکھنؤ

(۴) مکتبہ احسان مکارم نگر۔ لکھنؤ

(۵) مکتبہ فردوس مکارم نگر۔ لکھنؤ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين،أما بعد :

ندوہ کی تاسیس جس فکری بنیاد پر ہوئی ،اس کا تقاضہ تھا کہ اہل فکر کے ہر طبقہ میں اسے مقبولیت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے ،یہی وجہ تھی کہ اس دینی، تعلیمی اور تربیتی تحریک نے اپنے عہد اول میں ہندوستان کے بلند نظر اور اصحاب فکر وبصیرت علماء سے خراج تحسین حاصل کرلیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام ندوہ کو مسلمانوں کیلئے ایک نیک فال قرار دیا تھا۔ اسی طرح ذی شعور طبقہ کی طرف سے بانیان ندوۃ العلماء کو مبارک باد دی گئی اور ہندوستان کی علمی اور دعوتی تاریخ میں اسے ایک سنگ میل کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا۔

اس لئے جلد ہی اس جرأت مندانہ اقدام کی گونج سارے ملک میں سنائی دینے لگی اور ندوہ کے پے در پے اجلاسوں نے اس کا تعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں تحریک ندوۃ العلماء متعارف ہوگئی۔

ندوہ نے اپنے نمونہ کے دارالعلوم کے لئے جو نصاب تعلیم وضع کیا،اس کی اساس کتاب وسنت اور فقہ اسلامی پر رکھی گئی اور ساتھ ہی عصری علوم کی ایک

معتد بہ مقدار بھی اس میں شامل گئی، اسکا مقصد یہ تھا کہ اس نصاب تعلیم کو پڑھ کر ایسے راسخ العقیدہ علمائے دین تیار ہوں جو اسلام کی صحیح اور پختہ فہم وبصیرت رکھنے کے ساتھ زمانے کے تقاضوں جدید مسائل او رنئے فلسفوں اورافکارونظریات سے اتنی واقفیت رکھیں کہ بلاخوف وخطر اسلامی نظام کی بالادستی تسلیم کراسکیں اوراجنبی ماحول میں اس کی صحیح تشریح کراسکیں۔

ندوۃ العلماء اپنے مقصد میں بڑی حدتک کامیاب رہا، اورتھوڑی ہی مدت میں اس کی شہرت اندرون ملک سے نکل کر عالم اسلام کے تمام علمی اوردینی مراکز میں پہونچ گئی، چونکہ ندوہ نے (اصل) زبان عربی قراردی تھی، اس لئے عربی کوایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کا ذوق وشوق اس کی امتیازی خصوصیت ہے جو ہردور میں پائی گئی۔عربی زبان وادب پر خاص طور سے توجہ دینے کا مقصد بجزاس کے اور کچھ نہ تھا کہ یہاں کا ہر طالب علم اسلامی علوم کو اس کے اصل سرچشمہ کتاب وسنت سے براہ راست حاصل کرسکے۔ اورعربی زبان پراتنی قدرت حاصل کرلے جس سے وہ قرآن وحدیث کواچھی طرح سمجھ سکے۔

عالم اسلام بالخصوص عالم عربی میں ندوہ کی شہرت کا بڑا سبب یہی تھا کہ ندوہ کی (اصل) زبان عربی تھی، اسی بناپر عالم عربی سے براہ راست تعلق پیدا ہوا،

عربی اخبارات ورسائل یہاں آنا شروع ہوئے،عرب علماء سے خط وکتابت شروع کی گئی اور ندوہ کی تحریک سے ان کو باخبر کیا گیا،علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مہم میں بڑا حصہ لیا، انہی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ علامہ شید رضا، عبدالعزیز الثعالبی، مفتی امین الحسینی اور جامع ازہر کے علمی وثقافتی وفد نے ندوہ کی زیارت کا شوق ظاہر کیا اور انہیں اس کا موقع حاصل ہوا۔

عالم عربی سے ندوہ کا تعلق ایک طبعی چیز تھی۔(جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں پائی گئی)، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اور دینی شہرت نے ندوہ کا تعارف عرب دنیا کے بہت سے علمی حلقوں میں کرایا،عرب اساتذہ نے دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دی، جس کی وجہ سے ندوہ کا مزید تعارف عالم عربی میں ہوا۔اور اس کی ایک صحیح اور پاکیزہ تصویر ان کے ذہنوں میں آگئی،متعدد طلباء یہاں سے نکل کر جامع ازہر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے گئے،ان کی وجہ سے بھی ندوہ کا تعارف بڑھا اور اس کی ہمہ گیر فکر سے عرب علماء کو واقفیت کا موقع ملا۔

عہد آخر میں جب ندوہ کی زمام کار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں آئی تو ندوہ کا تعارف عالم عربی میں زیادہ وسیع پیمانہ پر ہوا اور عرب علماء نے ندوہ کو زیادہ قریب سے دیکھا اور اس کے تخیل کو پسند کیا،

۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے مصر کا دورہ کیا اور کچھ دنوں وہاں قیام فرمایا، تو ندوہ کی شہرت بام عروج پر پہنچ گئی، اور اس کا بہترین تصور وہاں کے علماء کے ذہنوں میں قائم ہوا، یہاں تک کہ اس زمانے کے شیخ الازہر نے اس تخیل پر بڑی حیرت واستعجاب کا اظہار کیا، وہ اس بات کے سمجھنے سے قاصر تھے کہ ہندی علماء کے ذہنوں کی پرواز اتنی بلند ہوسکتی ہے؟

مصر کے دوران قیام میں حضرت مولانا کے مختلف موضوعات پر بہت سے لکچرز اور تقریریں ہوئیں اور مشہور علماء وادباء کے ساتھ عوام سے بھی ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، یہ وقفہ ندوۃ العلماء کی تاریخ میں سب سے اہم اور قیمتی ہے، یہ وہی تاریخی دور ہے جس میں ندوۃ العلماء حضرت مولانا کی شخصیت میں جلوہ گر تھا جس نے بھی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اس نے ندوۃ العلماء کا جامع تخیل اور اس کی چلتی پھرتی تصویر ان کی ذات میں جلوہ گر پایا، یہ تاریخ ندوۃ العلماء کا وہ اہم باب ہے جس کو ہندوستان کی اس عظیم الشان علمی دینی تحریک کا مؤرخ کبھی فراموش نہیں کرسکے گا۔

اب ندوی اور ندوہ عرب دنیا میں نہ صرف ایک معروف چیز کا نام تھا، بلکہ عرب دنیا کا اس سے ایک بڑا تعلق بھی پیدا ہوچکا تھا۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی عربی تصنیفات نے اور خصوصاً ''ماذا خسر العالم

بانحطاط المسلمین ''نے وہ کام انجام دیا ، جو بہت سے ثقافتی وفود بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔

ایک عرب ملک کے ذمہ دار وزیر نے تو یہاں تک کہا کہ ہم نے تو ہندوستان کو مولانا ندوی اور ندوۃ العلماء کی وجہ سے پہچانا۔

بہر حال یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ تنہا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان کی تصنیفات ان کی دعوتی اور علمی سرگرمیوں، ان کے دعوتی دوروں ،عالم عربی کے اسفار نیز ان کی روشن ضمیری نے عالم عربی میں ندوۃ العلماء کا تعارف جس وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ کرایا اس کی مثال اس وضاحت کے ساتھ کہیں اور نہیں مل سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ ندوۃ العلماء کو عرب ممالک میں ایک ایسا علمی اور دینی مرکز تصور کیا جاتا ہے جہاں سے بالغ نظر، روشن ضمیر اور پختہ کار علماء اور داعی پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس ملک میں عربی زبان وادب کا ایک حسین چمنستان ہے۔

وہ علمی اور دینی اور ثقافتی کام جو عربی زبان میں یہاں انجام پا رہے ہیں وہ ندوہ کے اس علمی مقام کو متعین کرتے ہیں۔ مولانا کی عربی تصنیفات کے ساتھ ان کا بھی اثر بہت گہرا ہے۔ پہلے ''الضیاء'' نامی عربی کا جو ماہ نامہ نکلتا تھا اس کی وجہ سے بھی ندوہ کا علمی وادبی وقار قائم ہوا اور عرب ادباء نے ندوی قلم کو سراہا لیکن

الضیاء زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور جب تک جاری رہا وہ ہاتھ کی کتابت میں لیتھو پر چھپتا رہا، جو عربوں کے لئے زیادہ مانوس نہیں ہے۔ تاہم اس نے ندوۃ العلماء کا عالم عربی میں صحیح تعارف کرانے میں بڑی مدد دی۔ اور اس نے وہاں کے اہل علم واہل فکر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء کے سابق ناظم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے تعاون وتائید سے جب ۱۹۵۵ء میں موجودہ عربی ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' نکلا تو عرب ممالک کے تمام نئے اور پرانے حلقوں میں وہ ندوۃ العلماء کے تعارف کا سبب بنا اور مقصدیت کی جو روح اس میں کارفرما تھی اس نے اس کے معاونین وناظرین کا ایک بڑا حلقہ عرب دنیا میں پیدا کر دیا، جہاں سب سے پہلے ندوۃ العلماء کا تعارف ہوا۔ مولانا ندوی کی سرپرستی میں اس کا نکلنا مزید اس کی مقبولیت اور ندوہ سے عقیدت کا باعث ہوا۔ اب ندوۃ العلماء عرب دنیا میں اپنی صحیح تصویر پیش کر چکا تھا۔ ''البعث الاسلامی'' اس کا وہ ترجمان تھا جو اپنی پیشانی پر ندوۃ العلماء کا شعار لگا کر رہا اور بحمد اللہ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اس کے کچھ ہی دنوں بعد ایک پندرہ روزہ عربی اخبار ''الرائد'' کے نام سے طلبہ کی عربی انجمن النادی العربی کی طرف سے اس کے صدر ادیب اول

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی زیر نگرانی نکلا اور عرب دنیا میں اس کا زبردست استقبال ہوا۔ وہاں سے لوگوں نے اپنی پسندیدگی کے بے شمار خطوط لکھے اور اس اقدام پر ندوہ کے طلبہ کو مبارک باد دی۔

یہی وہ اسباب تھے جنہوں نے عالم عربی میں ندوۃ العلماء کی صحیح تصویر پیش کی اور وہاں کے عرب علماء نے ندوۃ العلماء کو ہندوستان میں علوم اسلامیہ اور عربی زبان کا زبردست قلعہ تصور کیا۔

حسن اتفاق سے مجھے جب بھی کسی عرب ملک اور بالخصوص خلیج عرب کی ریاستوں میں جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے ندوہ کا باقاعدہ تعارف کرانے کی ضرورت نہیں پیش آئی اسلئے کہ علمی حلقے ندوہ کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت اور ان کی فکر انگیز تصنیفات کی وجہ سے پہلے ہی جانتے ہیں، پھر ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' نے مسلسل پیام رسانی اور تعارف کی جو ذمہ داری لے لی ہے اس سے ندوۃ العلماء کا تصور دنیائے عرب کے ہر گوشہ میں موجود ہے۔

مقام مسرت ہے کہ ہمارے عزیز دوست مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی استاد مدرسہ انوار العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر وایڈیٹر ماہنامہ الکوثر نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے دوران ہمارے ایک عربی مضمون کا ترجمہ کیا تھا جو ''ہندوستان میں عربی زبان وادب کے میدان میں ندوۃ العلماء کا قائدانہ کردار''

کے نام سے پندرہ روزہ تعمیر حیات کے شمارہ ۱۰۔۲۵ اگست ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا، اب وہ اس کو ایک رسالہ کی شکل میں شائع کرنا چاہتے ہیں، عزیز موصوف ایک باصلاحیت داعی اور کامیاب معلم کی حیثیت سے صوبہ مہاراشٹر میں نشیط وفعال ہیں اور دو درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

ابھی حال میں ایک مضمون ہفت روزہ ''تعمیر نو'' لکھنؤ (جس کے چیف ایڈیٹر عزیزی مولوی عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی ہیں) کے خصوصی شمارہ کے لئے بعنوان ''تحریک ندوۃ العلماء تاریخ کے آئینہ میں'' لکھا تھا، موضوع کی مناسبت سے اس کو بھی اس رسالہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں، اور وسطیت اور اعتدال پر مبنی ندوۃ العلماء کی فکر کو بقاو دوام نصیب فرمائیں۔

راقم الحروف

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء

۱۰ر ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

۳۰ اکتوبر ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

محمد صدر الحسن ندوی مدنی

تعریف وتعارف سے بے نیاز عالم اسلام کی معروف اور مخصوص طرز فکر کی حامل دینی دانش گاہ ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' کے چشمہ حیواں کے فیض یافتہ ہندوستان میں کنیا کماری سے کشمیر تک اور پنجاب سے بنگال تک تشنگان علم وادب کی سیرابی میں مصروف عمل ہیں اور شاید ہی دنیا کا کوئی براعظم ایسا ہو جہاں فرزندان ندوہ اپنی جگر کاویوں کے ذریعہ اس راہ کے فرزانوں سے خراج تحسین وصول نہ کر رہے ہوں۔

اپنی مادر علمی سے مجھے محبت بھی ہے اور اس پر بجا طور پر فخر بھی، اس کے روح پرور در ودیوار اور اس کی معطر فضاؤں میں' میں نے زندگی کی سات بہاریں گذاری ہیں۔ اس نے مجھے شعور کی دولت بے بہا بخشی ہے۔ قدیم وجدید کی کشمکش میں راہ اعتدال کو جادہ و منزل بنانے کا سلیقہ عطا کیا ہے۔ میرے ہر نفس میں اس کی نے نوازی اس طرح پنہاں ہے' برگ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم۔ کم گوئی وکم آمیزی کی آغوش میں اس نے میری تربیت کی ہے۔ علم وفن اور فکر وتحقیق کی زہرہ گداز وادیوں میں اس نے ہر گام پر میری رہنمائی کی ہے۔ پیغام محمدی کی آفاقیت اور اس کی ابدیت پر مکمل اور غیر متزلزل ایقان عطا کیا ،افکار ونظریات کی دنیا میں ایک ایسی لازوال، معتدل اور تصنع وتکلف کے شائبہ سے پاک' پاکیزہ فکر ارجمند کو جلا بخشی کہ اب اس قالب فکر میں نہ دوسرے قالب کی گنجائش ہے اور نہ دوسری فکر کی۔ کتاب وسنت کی دینی، علمی، تاریخی اور روایت ودرایت کی بنیاد پر تحقیقی حیثیت

ایسی اجاگر کردی کہ اب ذہن وفکر کے کسی گوشہ میں تشکیک وفریب خوردگی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ گیسوئے زبان اور رخ زیبائے ادب کو ایسا جمال وجلال عطا کیا کہ روغن بیگانہ گاں اور غازہ اغیار کی خجستہ پائی' کامرانی کی دہلیز تک رسائی حاصل نہ کرسکی۔

عربی زبان وادب کے میدان میں ندوۃ العلماء کے قائدانہ کردار کی تصویر کشی میرے مربّی حضرت الاستاذ ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء و مدیر اعلیٰ 'البعث الاسلامی' کے موئے قلم نے کی ہے۔ میں نے حضرت والا کی جامع عربی تحریر کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ناتمام کوشش کی ہے۔ مجھ پر حضرت والا کے بے حد احسانات ہیں۔ ان احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ حضرت والا نے اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی، پسندیدگی کا اظہار فرمایا، طبع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس کے لیے ایک بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور تازیست اسلام اور علم وادب کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بروز چہارشنبہ — محمد صدر الحسن ندوی مدنی

۳؍مارچ ۲۰۱۰ء — دارالسلام، ۶۳؍عارف کالونی اورنگ آباد مہاراشٹر

۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — موبائل-9423153573

تحریک ندوۃ العلماء

اور عصر حاضر میں اس کی معنویت

ندوۃ العلماء کا جامع تخیل:

اکثر تعلیم یافتہ حضرات ندوۃ العلماء کے بارے میں صرف یہی جانتے ہیں کہ ہندوستان کے دیگر مدارس کی طرح یہ بھی ایک مدرسہ ہے، ندوۃ العلماء کے تعلق سے یہ نقطۂ نگاہ بے بنیاد باتوں کی ترویج کے نتیجہ میں سامنے آیا، ندوہ کے سرکردہ علماء بالخصوص مولانا محمد علی مونگیریؒ نے جو تخیل پیش کیا تھا وہ وسیع وعمیق اور دوررس تھا، انہوں نے اپنی ایمانی بصیرت سے اندازہ لگایا تھا کہ انگریزی سامراج کے دور اقتدار نے پورے عالم اسلام خاص طور سے ہندوستان میں نا پسندیدہ حالات پیدا کر دیئے ہیں، جن سے وہاں کے افراد کا یقین متزلزل اور انکی روحانی طاقت مضمحل ہوکر رہ گئی ہے، انہوں نے محسوس کیا کہ اگر ان مسموم تھپیڑوں کے سامنے سد سکندری نہیں قائم کیا گیا تو دین کی صلابت اور عقیدہ کی طہارت متاثر ہوکر رہ جائے گی، اور مسلمان صراط مستقیم سے کنارہ کش ہوکر اپنی متاع گرانمایہ کو کھو بیٹھیں گے، ضرورت ہے کہ ایسے پرآشوب ماحول میں اسلامی شریعت اور اسکے طرز معاشرت پر ہر طبقہ کا اعتماد بحال کیا جائے اور ان کو اسلام کی ابدیت اور اسکے انسانی مزاج سے ہم آہنگ ہونے پر مطمئن کیا جائے۔

انیسویں صدی عیسوی کے اختتام اور چودھویں صدی ہجری کے آغاز پر ندوۃ العلماء نے اس معتدل اصول کی صدا لگائی جسکی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کررہی ہے، **وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا** ،اسی طرح ہم نے تم کوایک معتدل امت بنایا، تاکہ تم تمام لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تمہارے اوپر گواہ رہیں۔

تحریک ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد:

تحریک ندوۃ العلماء جن مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں بنیادی اصلاحات اور ہر دور میں تمدنی حالات کے تقاضے کے مطابق نئے نصاب کی تیاری۔

(۲) ایسے علماء تیار کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کیساتھ جدید حالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

(۳) اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا، اور باہمی نزاع کو ختم کرنا۔

(۴) اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادرانِ وطن کو اسکی خوبیوں سے واقف کرانا، ان کے سامنے اسکی ہمہ گیری اور پوری انسانی برادری کے لئے باعث رحمت قرار دینا اور اسلام کے بارے میں ان کی وحشت کو دور کرنا۔

مذکورہ بالا مقاصد پر ندوۃ العلماء نے غیر معمولی توجہ دی اور بہت حد تک کامیابی اس کے حصے میں آئی، لیکن اب بھی بعض حلقوں میں اس کی تصویر بہت دھندلی اور اس کے نقوش غیر واضح ہیں، زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اس وقت ندوۃ العلماء کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، موجودہ ذمہ داران اس مشن کو لے کر سرگرم عمل ہیں اور حقائق و واقعات کے تناظر میں اس کی افادیت کو عالم آشکار کر رہے ہیں۔

عربی زبان و ادب کی تعلیم:

ندوہ نے عربی زبان کو ایک زندہ، متحرک اور حرارت سے لبریز زبان کی حیثیت سے پڑھنے اور لکھنے پر زور دیا، اس مقصد کے حصول کے لئے ذمہ داران نے ایک ایسا جامع نصاب تعلیم تیار کیا، جس سے نہ صرف یہ کہ صلاحیت پروان چڑھے، بلکہ اس سے فطری طور پر لگاؤ پیدا ہو جائے، یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی زبان صحیح طور پر اسی وقت سیکھی جا سکتی ہے جب سیکھنے والے کا مقصد بلند ہو اور وہ اس راستہ میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کا مزاج رکھتا ہو، عربی زبان تو تمام زبانوں میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے، اس لئے اس کے حصول کی خاطر جانفشانی اور سخت محنت کوشی کی ضرورت ہے، ندوۃ العلماء نے اسی آفاقی تصور کے ساتھ عربی زبان کی تحصیل پر توجہ دی، ہندوستان کے مروجہ قدیم نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے اندر اس کی صلاحیت تو تھی کہ طالب علم عربی عبارتوں کو سمجھ

لے،لیکن مختلف شعبہائے زندگی میں بے تکلف استعمال کرنے اور بولنے کی استعداد بالکل نہیں پیدا ہوتی تھی۔

چنانچہ ندوہ نے اس کو گوشۂ عافیت سے نکال کر رواں دواں زندگی کا جز بنایا، اس نصاب کو پڑھ کر ایسے عربی داں افراد پیدا ہوئے جو خطابت و انشاء پردازی میں اپنی مثال آپ تھے،اس سلسلہ میں ان عرب اساتذہ کا بھی بڑا دخل تھا جو صالح ذوق کی تشکیل کے لئے خاص طور سے بلائے گئے تھے،ان میں شیخ محمد طیب مکی، شیخ خلیل عرب،علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی، شیخ محمد العربی مغربی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں،ان مہمان اساتذہ نے جو نسل تیار کی وہ اسی نہج پر عربی زبان وادب کی ترویج میں مشغول رہی،اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

عربی صحافت اور ندوۃ العلماء:

عربی اسلامی صحافت ندوۃ العلماء کے فکری تخیل کی آئینہ دار تھی، چنانچہ اس نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا،۱۹۳۲ء میں ایک ایسا شاندار علمی مجلّہ بنام ''الضیاء'' بزبان عربی نکالا جو بعض اعتبار سے عرب ممالک کے علمی و ادبی رسالوں اور تحقیقی میگزین سے بھی فائق تھا، یہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا،لیکن اس نے مختصر سی مدت میں قارئین کے لوح قلب پر اچھے نقوش ثبت کئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے دور معتمدی میں ۱۹۵۵ء میں ایک عربی ماہنامہ بنام ''البعث الاسلامی'' اور ۱۹۵۹ء میں ایک پندرہ

روزہ رسالہ بنام ''الرائد'' جاری کیا گیا، ان دونوں کی علمی اور دینی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی، یہ دونوں رسالے اب بھی پورے آب وتاب کے ساتھ نکل رہے ہیں اور مقبول خاص وعام ہیں۔

ندوۃ العلماء اور اس کے دیگر شعبہ جات:

ندوۃ العلماء کے قیام کے چار سال بعد دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی، ندوہ کے علمی، ادبی، دعوتی اور فکری منصوبوں کو پائے تکمیل تک پہونچانے کے لئے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، مرور زمانہ کے ساتھ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، اور دیگر شعبے بھی قائم ہوتے رہے، دارالعلوم کے تحت جو شعبے قائم ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) كلية الشريعة و أصول الدين:

اس شعبہ کے تحت علوم شرعیہ (تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول) پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کا باضابطہ ایک دفتر ہے، شرعی علوم سے متعلق کتابوں پر مشتمل اس کا ایک کتب خانہ بھی ہے، اس کے دو عہدیداران (عمید اور وکیل) ہوتے ہیں، یہ مرحلہ چار سال پر مشتمل ہے اسکے بعد دراسات علیا یعنی اختصاص فی التفسیر، اختصاص فی الحدیث، اختصاص فی الفقہ دو سال پر مشتمل ہے، اس کو فضیلت فی الشریعۃ الاسلامیۃ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) كلية اللغة العربية و آدابها:

عربی زبان وادب کی تحصیل کے لئے یہ شعبہ قائم ہے، اس کے مقررہ نصاب میں نصوص ادبیہ کے علاوہ تاریخ ادب، بلاغت اور نقد جیسے موضوعات ہیں، اس کا بھی ایک کتب خانہ ہے، اس کے بھی دو عہدیدار (عمید اور وکیل) ہوتے ہیں، یہ مرحلہ دوسال کا ہے، عالیہ ثالثہ ادب، عالیہ رابعہ ادب، اسکے بعد دراسات علیا فی الأدب کا مرحلہ ہے جس میں اختصاص فی الادب العربی کے دوسال ہیں۔

(۳) كلية الدعوة والفكر الاسلامی:

شعبۂ عالمیت (کلیۃ الشریعۃ کا ایک مرحلہ) سے فارغ ہونے والے طلبہ اس میں زیر تعلیم ہوتے ہیں، اس کے تحت ان کو دعوت اور فکر اسلامی کے مختلف موضوعات پر تعلیم دی جاتی ھے، اس میں تجربہ کار اساتذہ کے ذریعہ صحافت ولسانیات کے بھی دروس اور محاضرات ہوتے ہیں، کارِدعوت کے لئے رائج زبان وبیان کے سیکھنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے، عملی طور پر قرب وجوار کے علاقوں میں دعوتی دوروں کا اہتمام ہوتا ہے، اس شعبہ کا بھی ایک عہدیدار (عمید) ہوتا ہے، یہ مرحلہ دوسال پر ممتد ہے۔

(۴) المعهد العالی للقضاء و الافتاء، مركز الدراسات القرآنية والحديثية، قسم الصحافة والألسنة۔

یہ تین شعبے ہیں: ایک میں افتاء اور قضا سے متعلق خصوصی تدریب کا نظم

ہے، طالب علم مشرف کی رہنمائی میں رہنما کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، فتوی نویسی کی بھی مشق کرتا ہے، جبکہ دوسرے شعبہ میں مفوضہ موضوع پر مشرف کی رہنمائی میں ایک سال کے اندر وقیع مفصل مقالہ تیار کرایا جاتا ہے، یا مخطوطات کی تحقیق کرنی ہوتی ہے، اس سے طلبہ کے اندر تحقیق وتصنیف کا ذوق پروان چڑھتا ہے، تیسرے شعبہ میں موضوع سے متعلق ماہر اساتذہ کے محاضرات ہوتے ہیں اور خبر نویسی، مضمون نویسی کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے، اور مروجہ زبانوں کی باضابطہ تعلیم ہوتی ہے، یہ تینوں شعبے عالمیت اور فضیلت کی تکمیل کے بعد ہیں۔

(۵) معهددارالعلوم:

ابتدائی اور ثانوی مراحل کی تعلیم کے لئے یہ شعبہ قائم ہے، ابتدائی تعلیم تو ندوۃ العلماء کے زیر انتظام متعدد مکاتب میں ہوتی ہے، لیکن ثانوی تعلیم کا خصوصی طور پر معہد دارالعلوم میں نظم ہے، یہ چھ سال پر مشتمل ہے۔

(٦) معهدتحفيظ القرآن الكريم:

قرآن کریم کی حفظ وتجوید کے لئے دارالعلوم میں یہ شعبہ سرگرم ہے، صحت مخارج کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت پر توجہ دی جاتی ہے، زیادہ سے زیادہ تین سال میں طلبہ حفظ قرآن مکمل کر لیتے ہیں اسکے بعد دور کرایا جاتا ہے، اسکے بھی دو سال رکھے گئے ہیں۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی:

چونکہ ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب تعلیم میں زبان وادب کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کو قرآن وحدیث کے سمجھنے کا زینہ قرار دیا ہے، اس لئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے اس کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے رابطہ ادب اسلامی کی بنیاد رکھی، ممالک عربیہ کے ادباء نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور تائید کی، حضرت مولانا تاحیات اس کے صدر رہے، اس کے دو آفس ہیں، ممالک عربیہ کا دفتر ریاض میں ہے، اس کے ذمہ دار ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح پروفیسر جامعۃ الامام محمد بن سعود ہیں، برصغیر اور ممالک شرقیہ کا دفتر ندوۃ میں ہے، اور اس کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ہیں۔

رابطہ ادب اسلامی اپنے روز قیام ہی سے متعینہ دائرہ کار میں سرگرم عمل ہے، اس نے مختصر سی مدت میں وسیع پیمانہ پر ادب اسلامی کے آفاقی مفہوم کو واضح کیا اور اسلامی تہذیب کی تعمیر نیز بے اعتماد انسانی معاشرہ میں خود اعتمادی کی دولت عطا کی، اس سلسلہ میں اسے متعدد ذرائع استعمال کرنے پڑے، سیمیناروں کا انعقاد، کانفرنسوں کا اہتمام، مفید کتابچے اور کتابوں کی اشاعت اور مختلف زبانوں میں رسالوں کا اجراء۔ کاروان ادب کے نام سے اس کا ایک الگ رسالہ شائع ہوتا ہے۔

یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ رابطہ کے بہی خواہوں کی تعداد بہت ہے۔ ادباء، پروفیسر حضرات، دانشوران قوم اور مدارس کے ذمہ داران اس سے وابستہ ہیں، سب اس کی افادیت کے قائل ہیں اور اس کو وقت کی ضرورت اور زمانہ کی پکار تصور کرتے ہیں۔

ندوۃ العلماء کا علمی اور فکری سرمایہ:

ندوۃ العلماء کی مطبوعات پر دو رنگ غالب ہیں، ایک علمی اور ثقافتی ،دوسرا دعوتی اور فکری، نصابیات کی کتابیں خاص نقطۂ نظر کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہیں، اس لئے ان میں علمی، ثقافتی اور تربیتی عنصر نمایاں ہے، دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جو دعوتی مقاصد کے پیش نظر تصنیف کی گئیں، وہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام سے شائع ہوتی ہیں، مجلس نے کئی زبانوں میں اس کام کا بیڑا اٹھایا اور بحمد اللہ ان زبانوں میں اس کی مطبوعات زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، مجلس ۱۹۵۹ء میں قائم ہوئی اور ۲۰۰۹ء تک اس کی مطبوعات کی تعداد ۲۵۸ سے متجاوز ہوچکی ہیں۔

دعوت الی اللہ:

ندوۃ العلماء قدیم صالح اور جدید نافع اور دین و دنیا کو توازن کے ساتھ جمع کرنے کے اصول پر قائم ہوا، اس کے فضلاء اس صفت سے متصف رہے، انفرادی ملاقاتوں ،تقریروں ، مقالات ، سیمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعہ

دعوت الی اللہ جیسے مہتم بالشان فریضہ کو ادا کیا، اپنے زیر تربیت طلبہ کی بھی اس رخ پر چلنے کا مزاج بنایا اور امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنانے پر زور دیا۔

۱۴۰۰ھ میں ندوۃ العلماء نے دعوت کے پہلو پر فکری اور نظریاتی بلکہ عملی طور پر توجہ دی اور ایک شعبہ **المعھد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی** کے نام سے قائم کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس شعبہ کے افتتاح کے موقع پر توسیعی خطبات دئے جو عربی میں ''روائع من ادب الدعوۃ'' اور اردو میں ''دعوت وتبلیغ کا معجزانہ اسلوب'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ندوۃ العلماء کی عصری معنویت:

فرزندانِ ندوہ قدیم زمانہ ہی سے ہندو بیرونِ ہند عملی طور پر دعوت سے وابستہ رہے، بعض یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا شعبہ ان کے ذمہ کیا گیا، بفضلہٖ تعالیٰ جدید طبقہ میں ان کی کوششوں سے اچھے نتائج برآمد ہوئے، مفکر اسلام کا دعوتی کارنامہ عالم آشکار ہے، ۱۹۸۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز سینٹر کے افتتاح کے لئے آپ کو مدعو کیا گیا تھا، تاحیات آپ اس کے صدر رہے، آپ نے اس کے سالانہ پروگراموں میں جو محاضرات دئے اور تقریریں کیں، ان کو ''حدیث مع الغرب'' نامی مجموعہ میں جمع کیا گیا ہے۔

ماشاء اللہ اس وقت ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی

افادیت کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے، اور وسیع پیمانہ پر ہند اور بیرونِ ہند اس سے ملحق ادارے بھی قائم ہو رہے ہیں، اور معاشرے پر ہر لحاظ سے اس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے نصابِ تعلیم میں حسب ضرورت اصلاح وترمیم کو اپنے مقاصد میں شامل رکھا، اور جن لوگوں نے اس مقصد سے اتفاق کیا، انہوں نے اس کو بنظرِ استحسان دیکھا، اور زمانے کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس اقدام کو سراہا اور اس کی پرزور تائید کی اور بہت سے مدارس نے اس سے روشنی حاصل کی، اور اپنے نصاب میں اصلاح وترمیم کے متعلق غور کیا، بعض مدارس نے ندوہ کے نصاب کو حرف بحرف قبول کر کے اس کو اپنے یہاں رائج کیا، ہمیں اس بات کا اظہار کرنے میں مسرت ہے کہ دارالعلوم کی نصابی کتب کی مانگ مدارسِ عربیہ میں الحمدللہ ادھر بہت بڑھ گئی ہے، اور اہلِ مدارس اور علماء اس کو بڑی تعداد میں طلب کر رہے ہیں۔

اگر حقائق سے چشم پوشی نہ کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت زمانہ کو ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ہر طرح سے جامع ومانع ہو، اور جس میں فراخ دلی سے نئی چیزوں کو لیا گیا ہو، اور ان قدیم چیزوں سے صرف نظر کیا، جن کی ضرورت اس زمانے میں باقی نہیں رہی، اور اب ان کی جگہ دوسری چیزوں نے لے لی ہے، یہ اتنا ضروری اقدام ہے کہ اگر جلد اس پر عمل درآمد شروع

نہیں ہوا تو وہ دن دور نہ ہوگا جب تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی بے دینی اور الحاد کی راہ سے آنے والے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا فرض انجام دینے والے نہ صرف یہ کہ کم بلکہ مفقود ہو جائیں گے، اور اگر ایسا ہو گیا تو خدانخواستہ اس ملک میں بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہی حشر ہو سکتا ہے جو اندلس کی خوں چکاں داستاں میں پوشیدہ ہے۔

پوری دنیائے اسلام اور خصوصاً اس ملک کے موجودہ حالات نے اس ضرورت کا احساس اور تیز کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تشخص اور ملی وجود اور دینی شعائر کے بقاء کیلئے علمائے دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنی ہے جو بیک وقت فقیہ و مجاہد دونوں ہوں، وہ ایک طرف دلوں کو قرآن وحدیث کے پیغام سے گرما سکتے ہوں، دوسری طرف ان کو خودداری و شجاعت کا وہ درس بھی دے سکتے ہوں، جس سے وہ ایک زندہ قوم بن کر دنیا سے اپنی برتری اور بالادستی تسلیم کرا سکیں، اور بوقتِ ضرورت بڑی سے بڑی طاقت کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر سکتے ہوں۔

یہ کام اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب ہمارے مدارس اور ہماری تربیت گاہیں اپنے یہاں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں، وہ قوم کیلئے ایسے بلند نگاہ علماء اور سرفروش قائد مہیا کر سکیں جو وقت کی ضرورت کو کسی طرح نظر انداز کر کے ملک وملت کو پیچھے رہنے پر مجبور نہ کریں، ان میں وہ جوہر اور قابلیت موجود ہو کہ وہ

بڑے سے بڑے سیلاب کو روکنے کی پوری استطاعت رکھتے ہوں، وہ دنیا کے معاملات سے پوری طرح باخبر، بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے، دین کی باتوں اور دینی تقاضوں اور اس کے شعائر کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

ندوۃ العلماء نے اسی تقاضے اور ضرورت کے پیشِ نظر ہمیشہ اپنے نصاب میں ترمیم واصلاح کو روا رکھا، اور زمانہ کے رخ کو دیکھ کر تعلیم وتربیت کا نظام اس نے مرتب کیا، موجودہ ترمیم شدہ نصاب بھی اسی روح کا حامل ہے، اس وقت جن باتوں پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ خصوصیت سے دو چیزیں ہیں۔

دو قابل توجہ چیزیں:

(۱) عربی زبان کی تعلیم

عربی زبان کی تعلیم کا انتظام دین کے بنیادی مضامین کی زبان کی حیثیت سے، اور اس کے لئے ان تمام پہلوؤں کی رعایت جو زبان کو صحیح طور سے سیکھنے کیلئے ضروری ہیں، عربی انشاء پردازی، عربی خطابت اور عربی میں بے تکلف بول چال اور مافی الضمیر کی ادائیگی، یہ وہ تین بنیادی پہلو ہیں جن کے لئے ندوہ نے شروع سے اپنے یہاں انتظام کرنے کی کوشش کی ہے، عربی زبان کی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے روز بروز ان پہلوؤں کے لئے وسائل واسباب کی فراہمی کے

لئے ندوہ ہی نے دراصل تنہا وہ کام انجام دیا ہے جواب تک کسی دوسرے ادارہ نے انجام دینے کی کوشش نہیں کی، عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھے بغیر قرآن فہمی کی وہ صلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے جو اس کے لئے ضروری ہے، قرآن کی فہم پیدا کر لینا ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا اندازہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں ہوسکتا جو عربی سے ناواقف اور قرآن کے اسرار ورموز اور اس کے نکات کے بلاواسطہ سمجھنے سے محروم ہو۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے طلبہ کے ایک افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''فہم قرآن اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص خوشی سے دیوانہ ہوجائے اور گریباں چاک کر کے مجنونانہ کیفیت اختیار کرلے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں''

حضرت مولاناؒ نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''اگر اس دارالعلوم میں ہم کو کچھ نہ ملے اور صرف اتنا مل جائے کہ ہم اللہ کا کلام سمجھنے اور اس کے مخاطب ہونے کے اہل ہوجائیں تو دنیا کی ساری لذت وآسائش اس ایک نعمت پر قربان ہوسکتی ہے''۔

یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت ندوہ نے عربی زبان وادب کی تعلیم کے

لئے بہتر سے بہتر انتظام کیا اور اس کو دین کا ایک اہم فریضہ سمجھ کر اس کے لئے وسائل فراہم کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا، اس کا یہ عمل قابلِ تقلید ہے۔

(۲) انگریزی زبان کی تعلیم:

دوسرا نمایاں پہلو جو موجودہ نصاب کی نمایاں خصوصیت ہونی چاہئے وہ ہے انگریزی زبان اور دیگر عصری علوم کی تعلیم، اس مقدار میں کہ طالبِ علم ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے ذریعہ دین کی خدمت انجام دے سکے، عصری زبانوں میں دین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بخوبی سمجھ کر وہ اس کے متعلق اپنے ذہن کو مدافعت اور تبلیغ کے لئے تیار کر سکے۔

اگر غور کیا جائے تو انگریزی زبان وادب اور دوسرے جدید علوم وفنون کی تعلیم موجودہ دور میں دین کی خدمت کرنے اور صحیح معنوں میں اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک پہونچانے کے لئے بے حد ضروری ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دین کے علم سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے، زمانہ جس نئے اسلوب اور طرز کا عادی ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرز واسلوب کے ساتھ اس کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا جائے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کو اس ضرورت کا آج سے بہت

پہلے احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنی روشن ضمیری سے یہ بات پہلے ہی سمجھ لی تھی کہ اسلام کی خدمت کما حقہ انجام دینے کے لئے بقدرِ ضرورت انگریزی زبان اور جدید علوم کا سیکھنا بہت ضروری ہے، انہوں نے بہت صفائی کے ساتھ علماء کو انگریزی میں عبور حاصل کرنے کی دعوت دی، اور تاریخ وجغرافیہ اور دوسرے ضروری علوم کی اہمیت بتائی، وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں دینی ودنیاوی ضرورتیں ایسی درپیش ہیں کہ انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری ہے، اگر چند ہمارے علماء اس قدر انگریزی سے واقف ہوں کہ یورپ میں جا کر اسلام کے فضائل ان کی زبان میں بیان کریں تو بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہو، اسی طرح اگر انگریزی میں رسائل لکھ کر مشتہر کرائے جائیں تو بھی بہت نفع ہو، غرض اس وقت دنیا میں بہت بڑا فرقہ جو اپنی سلطنت کے اعتبار سے اکثر روئے زمین پر حاوی ہے اس کی زبان انگریزی ہے، لہذا تبلیغِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان سیکھی جائے، کیونکہ اب ان کو غلبہ ہے، اور مسلمان مغلوب ہیں، اور غالب مغلوب کی زبان سیکھنے پر مجبور نہیں ہوسکتا، لہذا اگر مغلوب کو ان سے ضرورت پیش آئے تو بالضرور اسے غالب کی زبان سیکھنی

ہوگی، یہ تو دینی ضرورت تھی، اور دنیاوی ضرورتیں تو ہر کہ ومہ پر ظاہر ہیں، پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ سب تارک الدنیا ہو جائیں، کسی قسم کا برتاؤ اہلِ دنیا سے نہ رکھیں!''۔

یہ ایک صدی پیشتر کی بات ہے، آج یہ ضرورت کس قدر بڑھ چکی ہے اس کا اندازہ کرنا کسی کے لئے بھی دشوار نہیں ہے، خاص طور سے کسی علمی سیمینار میں شرکت کرنے والے سبھی حضرات اس کو بخوبی سمجھتے ہیں، اس لئے ندوۃ العلماء کے نقطۂ نظر کے مطابق مدارس اسلامیہ کے لئے جدید نصابِ تعلیم تیار کرنے کی ضرورت اب بہت زیادہ بڑھ چکی ہے، اس حقیقت سے چشم پوشی کرنے کا وبال ہماری نسلوں پر کس بھیانک شکل میں آسکتا ہے اس تلخ سوال کا صحیح جواب آنے والا مؤرخ ہی دے سکتا ہے۔☆☆☆

عربی زبان وادب کے میدان میں
ندوۃ العلماء کا قائدانہ کردار

مذہب اور ادب

ادب کسے کہتے ہیں؟

یہ ایک مختصر سا سوال ہے جس کا جواب اپنے اپنے زمانے کے مفکرین وادباء اپنے اپنے ذوق وانداز کے مطابق سینکڑوں سال سے دیتے چلے آئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادب دراصل زندگی کی صحیح تشبیہ اور انسانی تجربات کی اس سچی تصویر کا نام ہے جو ایک فن کی شکل میں سامنے آتی ہے، خواہ وہ افسانہ ہو یا نثر ونظم، یا کوئی تمثیلی قصہ ہو، یا نغمہ وموسیقی۔

زندہ اور بامقصد ادب وہی ہوسکتا ہے جو حقیقت کا ترجمان ہو، لیکن جہاں یہ صفت مفقود ہوئی، ادب اپنی تاثیر، اپنی طاقت اور اپنی گہرائی سے محروم ہوجاتا ہے اور وہ محض ایک تصویر بنکر رہ جاتا ہے جو روح سے خالی ہوتی ہے، اس بے روح ادب میں زندگی کی ہر تشبیہ اور انسانی تجربات کی ہر تعبیر بے قیمت ہوتی ہے، بلکہ وہ احساس ووجدان کی ایسی غلط تصویر ہوتی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس کی ساری قیمت (خواہ کوئی بھی ادب ہو یا ادب کی کوئی بھی قسم ہو) صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ واقعات وانفعالات کی صحیح نمائندگی کرے، اس کے بغیر اس کی مثال بالکل اس خالی جام کی ہے جو دور سے بہت پر کیف اور دلفریب نظر آتا ہے، لیکن اس میں پیاس بجھانے کی صلاحیت قطعاً نہیں ہوتی ہے یا مٹی کے اس شیر کی ہے جو دور سے جنگل کا ایک زندہ شیر دکھائی پڑتا ہے لیکن درحقیقت وہ مٹی کے ایک ڈھیر سے زائد کچھ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ادب کن حالات میں اپنا وظیفہ صحیح طریقہ سے انجام دے سکتا ہے، اور وہ کون سی شی ہے جو اس کی زندگی کی ضامن ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ادب کی بنیاد جب زندگی اور انسانی نفس کی گہرائیوں پر قائم ہے، اور ادب وزندگی میں جب قدر مشترک حقیقت اور واقعات کی صحیح ترجمانی یا اس کی سچی تصویر کشی ہے، تو بلاشبہ اس واقعیت اور حقیقت کی نمائندگی کیلئے ایسی چیز کا سہارا ڈھونڈنا پڑے گا جو ازل سے حق وصداقت اور انسانی نفس کی واقعی رہنمائی پر مبنی ہو اور جس کا وظیفہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہو کہ وہ زندگی کو بیک وقت کامیابی اور شادمانی سے ہمکنار کرتی ہے اور روح وجسم کے تقاضوں کو عدل ومساوات کی روشنی میں پورا کرتی ہے۔

آپ سوچیں تو بجز مذہب کے اور کوئی شی نہیں ہوسکتی جو زندگی کے حقائق

پراس تدبیر وحکمت کے ساتھ نظر رکھتی ہو، اس لئے کہ مذہب کا موضوع بھی زندگی اور نفس انسانی ہی ہے اور مذہب وزندگی کا قدر مشترک بھی واقعیت وصداقت اور وہ روحانی قدریں ہیں جو زندگی کی حقیقت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہیں، اور جن کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ وہ انسان کی زندگی کو ہر اعتبار سے کامیاب اور خوشحال بنائیں۔

اسی طرح ادب کا مقصد اگر یہ ہے کہ وہ نفس کیلئے ایسی علمی اور فنی غذا فراہم کرے، جس سے قلب منشرح ہو اور وہ ایک بامقصد اور مثالی ماحول قائم کر سکے، تو مذہب کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ زندگی اپنے خالق کی بنائی ہوئی راہوں پر چل کر حقیقی فلاح سے ہمکنار ہو، اور ایک ایسی مثالی سوسائٹی وجود میں آئے جو انصاف، مساوات، خوشحالی واخوت کی داعی ہو اور ظلم، وناہمواری، بے اطمینانی اور انتشار سے متنفر اور بیزار ہو۔

اس سے یہ بات کس قدر واضح ہوگئی کہ مذہب ایک لمحہ کیلئے بھی انسانی نفس کی تربیت اور اس کی اصلاح سے غافل نہیں ہوسکتا، ادب اس تربیت واصلاح کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے، اور بعض حالات میں ادب کے بغیر ذہنی تربیت ناممکن ہوجاتی ہے، اس لئے مذہب اور ادب کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ کرنا بڑی ناانصافی ہے۔

مذہب کی سب سے بڑی کتاب قرآن مجید ہے جو ادب و بلاغت کا ایک عظیم نمونہ ہے، اس کتاب میں واقعات کی تصویر کشی اور مثالوں کے ذریعہ حقائق کا اظہار کس مؤثر اور بلیغ انداز میں موجود ہے، اس بحر بیکراں کی تفصیل کیلئے سفینے بھی کافی نہیں اور نہ انسانی عقل وخرد اسکی باریکیوں کی حد تک پہونچ ہی سکتی ہے۔

فن برائے فن اور ادب برائے ادب کا نعرہ انہیں جگہوں میں بلند ہوا جہاں مذہب کو ایک قدیم اور غیر ضروری شئی کہہ کر زندگی کے خانہ سے نکال دیا گیا، اور یہ نعرہ انہیں لوگوں نے بلند کیا جو الحاد و بے دینی کے دلدل میں پھنس کر اطمینان وسکون سے محروم ہو چکے ہیں اور بے بسی و بے چینی اور کرب والم میں اپنی زندگی کی گھڑیاں گن گن کر پوری کر رہے ہیں اور اپنے ہی تن مردہ کی طرح وہ ادب کو بھی ایک لاشۂ بے جان دیکھنا چاہتے ہیں۔

ترقی پسند ادب ہو یا آزاد ادب، اخلاقی قدروں سے آزاد رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا، اور نہ سوسائٹی کی تعمیر میں کوئی کردار ادا کر سکتا ہے، بلکہ وہ ذہن و دماغ کی تخریب کا اولین ذمہ دار ہے۔

مذہب ہی ادب کی تخلیق کرتا ہے، اور وہی اس کو غذا فراہم کر کے مؤثر طاقتور اور گہرا ادب بناتا ہے، اگر مذہب کی رہنمائی سے ادب محروم ہو جائے تو وہ مٹی کے اس شیر سے زیادہ وقیع نہیں ہو سکتا، جو دور سے شیر دکھائی پڑتا ہے لیکن

قریب سے وہ مٹی کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔

ادب زندگی کی بنیاد کو اعلی اخلاقی قدروں پر اٹھاتا ہے اور کائنات میں رنگ آمیزی، فن کاری اور سحر آفرینی کر کے جمال کائنات کا شعور پیدا کرتا ہے اور انسانی خالق جمال کی تصویر کائنات کے ذرے ذرے میں دیکھ کر مسحور رہ جاتا ہے، اور اس کا نفس خالق کائنات کی عظمت سے معمور ہو جاتا ہے۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

ہندوستان کا مقام علوم وفنون کی تاریخ میں:

اسلامی ہند کی علمی تاریخ علوم وفنون، زبان وادب اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہی ہے۔ تصنیف وتالیف، تعلیم وتربیت اور تہذیب وتمدن کے میدان میں اس کے فرزندوں کی جگر کاویاں آج بھی لائق صد رشک ہیں اور خاص طور پر قرآن کریم، حدیث شریف، فقہ، علم کلام، منطق، حساب، جغرافیہ، الجبرا، ریاضی، علم طب، علم ہیئت، تاریخ اور زبان وادب کے میدان میں ان کے زور قلم نے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے جن کو اس ملک کی علمی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

ہندوستانی مسلمانوں کا عربی زبان سے ربط:

مسلمانان ہند نے ملکی زبان کے ساتھ عربی زبان کو اپنایا اور اس کو ممکن

حدتک علوم اسلامیہ کی تدوین وتشریح کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ یہاں ایسے علماء، ادباء، شعراء، انشاء پرداز اور شعلہ بیان مقررین پیدا ہوئے جنہوں نے مادر وطن اور اہل گیتی کے سامنے اپنی عقلی کاوشوں اور فکری شہ پاروں کا حسین مرقع ملکی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پیش کیا۔

علمی زندگی کا یہ قافلہ انیسویں صدی کی انتہا سے بیسویں صدی کی ابتدا تک اسی راستہ پر گامزن رہا اور اس وقفے میں بھی غیور علماء کی مسیحائی کے طفیل شبستان زبان وادب خزاں نا آشنا رہا، ان کی کوششوں نے شبستان زبان وادب کی صرف آبیاری ہی نہیں کی، بلکہ ایک تیشہ کا کام دیا جس نے اس غلط طرز فکر پر ضرب کاری لگائی کہ یہ محض قرآن وسنت کی زبان ہے۔ اشہب حیات کی جولانیوں اور طلاطم ہائے افکار کی تیز وتند موجوں سے وہ پنجہ آزمائی نہیں کرسکتی۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ جس طرح یہ زبان قرآن وسنت کی شاہ کلید ہے، اسی طرح سفینۂ شریعت وقانون، ریاست ومعاشرت اور تہذیب وثقافت کا ناخدا بھی۔

ادبی بیداری کے آثار اور ندوۃ العلماء کی بنیاد:

دینی ادبی بیداری کی کرنیں پردۂ ظلمت کو اس وقت اور چاک کرنے لگیں جب ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں چند جگر سوختہ، غیور، قدسی نفوس علماء نے حالات کی نزاکت اور مسلمانوں کی دینی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی انحطاط

کا خاطر خواہ جائزہ لیا اور درپیش خطرات اور نبرد آزما حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور مسلمانوں میں (خاص کر تعلیم وتربیت کے میدان میں) خود کفیل کرنے کیلئے ''ندوۃ العلماء'' کے نام سے ایک اسلامی انجمن کی تاسیس کی تجویز رکھی، اور ۱۳۱۱ھ۔۱۸۹۳ء میں عملاً یہ انجمن قائم کردی گئی اور اس کے ۲ر سال بعد یونیورسٹی پیمانے پر ایک نمونہ کے مدرسہ کی تاسیس عمل میں آئی، اس کا مقصد یہ تھا کہ رائج نظام تعلیم کے مقابلہ میں مجوزہ تعلیمی قراردادوں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اس میں ایک تجویز یہ تھی کہ عربی زبان کو، اس کی گیرائی وگہرائی اور وسعت مضامین کے پیش نظر مسلمانوں کو سرکاری زبان کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے کے لئے اس کی ترویج واشاعت پر بھرپور زور دیا جائے۔

ندوۃ العلماء کا عربی سے تعلق:

عربی سے ندوۃ العلماء کے ربط کے متعلق حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ یوں رقم طراز ہیں:۔

''دارالعلوم ندوۃ العلماء نے خاص طور پر قرآن کریم کی تعلیم کی طرف توجہ کی، جو ہر نسل ودور کی کتاب ہے اور عربی زبان کو اپنے نصاب تعلیم میں اہمیت دی جو فہم کتاب کے سلسلہ میں شاہ کلید اور اس کے خزانے کی امین ہے اور پتھروں اور دفینوں کی زبان (جس پر قدیم ہندوستانی تہذیب شاہد

ہے) کے بجائے زندہ وترقی یافتہ اور انشاء پردازی وخطابت کی زبان کی حیثیت سے عربی زبان کی تعلیم کی طرف توجہ کی''۔

ندوۃ العلماء کا انقلابی اقدام:

ذمہ داران ندوۃ العلماء نے سب سے پہلے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا کہ دینی تعلیم کا ایک جدید نصاب تعلیم اور لائحہ عمل تیار کیا جس میں عربی زبان کو علمی مضامین کے درس وتدریس میں اساسی جگہ دی گئی اور مقامات حریری، متنبّی اور نفحۃ الیمن کے تنگ حصار سے نکال کر ادب وزبان کے میدان کو وسیع کیا گیا اور مسجع ومقفی عبارت کے بجائے شستہ وآسان اور رواں تحریر کی طرح ڈالی گئی۔

ہندوستان میں ادب عربی کا پہلا رجحان:

چونکہ اس ملک میں ادب عربی کا یہ پہلا اور انوکھا انقلابی قدم تھا، اس لئے ادبی اور علمی حلقوں میں اس کی دھوم مچی ہوئی تھی، جس نے مراکز اسلامیہ کے ذمہ داران تعلیم وتربیت کو اس موضوع پر سوچنے اور ندوۃ العلماء کے اس نئے تجربہ سے فائدہ اٹھانے پر مجبور کیا۔

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور اس کے فرزندوں نے بعض حلقوں کی مخالفت کے باوجود عزم محکم کے ساتھ علم وثقافت کے تمام میدانوں میں عربی ادب کو عام کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ندوۃ العلماء کے ناظم علامہ سید عبدالحی حسنی

رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ھ) نے ہندوستان کی تہذیب وثقافت، علمی مراکز، تاریخی مقامات، اور یہاں کے علماء کے حالات پر عربی زبان میں مبسوط کتابیں لکھیں جو عربی زبان وادب کے ارتقاء کے میدان کا پہلا علمی اقدام تھا اور اس طرح انہوں نے اس چمنستان نخیل کی آبیاری کی، جس کا ندوۃ العلماء کے بانیوں نے کبھی خواب دیکھا تھا اور اس کے ذریعہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے جو ندوۃ العلماء کے اعلی ذمہ دار کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد کے مقدمہ میں اس عملی اقدام کو سراہتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:۔

> ''یہ ان کی بلند حوصلگی، بالغ نظری اور ذہن ثاقب کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف کے لئے عربی زبان کا انتخاب کیا، جبکہ ہندوستان میں عربی زبان ان کے زمانے میں ناقص نصاب تعلیم اور طویل المیعاد مسجع انشا پردازی کے رواج سے جمود وتعطل کا شکار ہوگئی تھی''۔

اب زبان وادب کے میدان میں ندوۃ العلماء کی شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکی تھی، لیکن تنہا یہ بات اس انقلابی مہم کو عملی جامہ پہنانے اور

اہل علم کے مختلف طبقوں کو باور کرانے کے لئے کافی نہ تھی کہ عربی زبان آج بھی لوگوں کی ضروریات زندگی کے تغیرات، قلبی احساسات اور افکار وتخیلات کی ترجمانی کرسکتی ہے۔

ندوۃ العلماء میں عربی ادباء کی آمد:

علامہ سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی وفات کے بعد ذمہ داران ندوۃ العلماء اور خاص کر علامہ سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ عربی زبان وادب کے میدان کو درس وتدریس کے علاوہ خطابت وانشاء پردازی اور صحافت کے ذریعہ وسیع کیا جائے۔ اس کے لئے ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی، شیخ محمد حسن خزرجی یمانی، شیخ محمد طیب مکی، شیخ محمد عرب ہلالی جیسے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں جن میں سے ہر شخص اپنی جگہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھا، اس زمانہ میں ان عرب ادباء کی آمد علمی وادبی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ تھا جو ہندوستان میں نئے ادبی رجحانات کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔

ان عرب اساتذہ نے ذمہ داران ندوۃ العلماء کی مدد سے ماہر طالب علموں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو شگفتہ بیانی، وضاحت، حسن القاء، صحت تعبیر اور جودت تحریر میں کسی عرب سے کسی طرح کم نہ تھے، بلکہ بعض نے عربوں

سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی اسی شبستان ادب کے نونہال ہیں۔

''الضیاء'' میگزین کا اجراء:

تاسیس کے صرف چالیس ہی سال کے بعد ندوۃ العلماء نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا، اور مولانا مسعود عالم ندوی کی ادارت میں ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ''الضیاء'' عربی ماہنامہ میگزین آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آیا جو دینی اور روحانی قدروں کا علمبردار، تنوع علمی وادبی مضامین کا بیش بہا ذخیرہ، خوابیدہ روحوں کے لئے صدائے جرس اور فکر وعمل کے لئے ایک ولولہ انگیز محرک، بے تکلفی وسادگی کا حسین پیکر اور رعنائی ودل کشی کا اچھوتا مرقع تھا، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، مولانا سید سلیمان ندوی نگراں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور مولانا محمد ناظم ندوی شریک کار رہے۔

''الضیاء'' کے اجراء کے اسباب:

علامہ سید سلیمان ندوی ''الضیاء'' میگزین کے اجراء کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''جو چیز ہمیں لہور لاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان جس

کی آبادی تقریباً ۸ کروڑ ہے (یہ اُس وقت کے اعداد وشمار کے اعتبار سے ہے) جس میں کتاب اللہ کی زبان سمجھنے والے تقریباً بیس لاکھ ہیں اور چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد بھی ایک ہزار سے کم نہیں جن کے طلباء کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ زائد ہے، لیکن اس کی بڑی تعداد عربی زبان میں گفتگو کرنے اور کوئی وقیع مضمون لکھنے سے عاجز ہے، فی البدیہہ تقریر تو دور کی بات ہے ان کی عربی دانی کے مظاہرے کا میدان صرف فقہ اور منطق کی غیر ضروری بحثیں ہیں جو سود مند تو درکنار، درخود اعتناء بھی نہیں اور یہ حزن ویاس دوآتشہ اس وقت ہوجاتا ہے جب ہماری نظریں فرسودہ نصاب پر پڑتی ہیں جس میں کلاسیکی طرز کی چند کتابیں ہیں۔

اس علمی انحطاط سے پنجہ آزمائی کرنے اور اس خلا کو پر کرنے کی جس نے پہلی کوشش کی وہ ندوۃ العلماء ہے۔ اس نے قدیم وجدید عربی زبان کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ کی اور ابوقتیبہ دینوری، عبدالقاہر جرجانی، قدامہ ابن جعفر البغدادی، ابوہلال عسکری، جاحظ بصری جیسے ممتاز ادباء کی تصانیف اور متقدمین شعراء کے دواوین کو اپنے نصاب میں داخل کیا۔

پھر مبتدی طالب علموں کے لئے بعض ابتدائی کتابیں اور عربی

میں دخیل کلمات کی تشریحات پر مشتمل ایک نئی ڈکشنری مرتب کی گئی اور جدید عربی زبان کی تعلیم کیلئے عرب اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس لئے شروع میں اس شعبہ کی صدارت علامہ شیخ محمد طیب مکی کے سپرد کی گئی۔ اس کے بعد شیخ محمد بن حسین خزرجی یمانی، اور اخیر میں اس خلا کو میرے دوست علامہ شیخ محمد تقی الدین ہلالی پر کر رہے ہیں۔

ندوۃ العلماء کے یہ مساعی بار آور ہوئے اور مدارس اسلامیہ نے ممکن حد تک اس کو اپنانے کی کوشش کی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عربی زبان کے خزاں رسیدہ چمن کا دور بہار اس وقت آیا جب ہمارے رفیق درس وسبق کے ساتھی اور علوم شرقیہ وغربیہ کے جامع مولانا ضیاء الحسن علوی ندوی کے ذمہ اتر پردیش کے ناظم امتحانات اور مدارس اسلامیہ کے انسپکشن کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نظام تعلیم کو بہتر بنانے کیلئے بہت کچھ تبدیلیاں کیں، ادب عربی کو اس کا مناسب مقام دیا اور طلباء مدارس عربیہ پر عربی انشاء پردازی اور مقالات نگاری کو ضروری قرار دیا۔

سرکاری یونیورسٹیوں نے بھی اپنے عربی سیکشن میں انگلینڈ وجرمنی سے سند یافتہ فضلاء وماہرین زبان کی مدد سے قدیم نصاب تعلیم

میں تبدیلیاں کرائیں، الہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ، کلکتہ اور بورڈ سے ملحق مدارس، اورنیشنل کالج لاہور، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بھی اس کو اپنایا، لیکن ڈھاکہ اور لاہور کی یونیورسٹیوں نے اس سلسلہ میں قائدانہ رول ادا کیا۔

ڈھاکہ یونیورسٹی نے بعض علوم جدیدہ اور انگریزی زبان کے ساتھ عربی کی تعلیم کیلئے ایک نیا نصاب تیار کیا جس کے ذریعہ اس نے عربی زبان کے طلباء کو خالص انگریزی یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلباء کے دوش بدوش کھڑا کر دیا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بھی ڈھاکہ یونیورسٹی کی پیروی کی اور عربی کا ایک الگ شعبہ کھولا، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد تمام یونیورسٹیوں سے زیادہ عربی سیکشن پر خرچ کرتی ہے اور فارغ ہونے والے طلباء کے ساتھ خصوصی عزت واکرام کا برتاؤ کرتی اور ملازمت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز کرتی ہے۔

لیکن شاید ہندوستان کی فضا عربی زبان کیلئے سازگار نہیں، علوم وادب کی بھرمار اور اردو انگریزی میگزین کی کثرت طلباء کو اتنا موقع ہی نہیں دیتی کہ وہ عربی کیلئے کوئی وقت فارغ کرسکیں، مہینوں عربی میگزین واخبار پڑھنے کی نوبت نہیں آتی اور لکھنے کی نوبت کا تو ذکر ہی کیا۔

یہی اسباب تھے جس نے گراں دوشی پر مجبور کیا جب کہ اس راہ کے فرزانوں کی داستانیں سامنے تھیں۔ ہمارے ایک بزرگ نے ہمت کی اور ''الریاض'' نکالا لیکن اس کے نودمیدہ غنچے شعلۂ فقر کا شکار ہوگئے۔ ''البیان'' نے بال وپر نکالے لیکن آہ! اسے بھی شہپر زمانہ کا نخچیر بننا پڑا۔ پھر بڑی آب وتاب کے ساتھ ''الجامعہ'' نکالا لیکن وہ بھی زمانہ کے دستبرد کا شکار ہوگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی عربی میگزین منظر عام پر آئے جو آرزو وانتظار کی کشمکش میں ناپید ہوگئے، مجھے بھی اس ناکامی کا احساس ہے لیکن کارساز کائنات کے دامن سے وابستگی، دوستوں کی معاونت اور اس ملک کے عربی داں طبقہ کی ہمت افزائی ڈھارس بندھاتی ہے کہ موجزن سمندر میں کود پڑوں جب کہ ؎

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

جو لوگ دامے، درمے، قدمے، سخنے میری معاونت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائے گا۔ ان اللہ لایضیع اجر المحسنین"

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اداریہ کے بنیادی نکات:

علامہ سید سلیمان ندوی کے اداریہ کا یہ طویل اقتباس اس انقلابی اقدام

پر روشنی ڈالتا ہے جس کی تکمیل کا انہوں نے اپنے ہم سفروں اور ہم نواؤں کے ساتھ بیڑا اٹھایا تھا، اس کے نکات نذر قارئین ہیں:۔

۱۔ اس ملک میں عربی زبان وادب کی تعلیم وترویج میں ندوۃ العلماء کا قائدانہ کردار۔

۲۔ کل ہند پیمانے پر مدارس اسلامیہ اور تعلیمی مراکز میں ندوۃ العلماء کی اس سلسلہ کی کوششوں کی پذیرائی۔

۳۔ مناسب تبدیلیوں کے ذریعہ قدیم اور فرسودہ نصاب تعلیم کی تجویز۔

۴۔ راہ کی مشکلات اور وسائل کی کمیابی کے باوجود میدان صحافت میں ایک عظیم انقلاب۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ندوۃ العلماء:

دارالعلوم ندوۃ العلماء اپنے جدید انقلابی پروگرام کے مطابق منزل بہ منزل آگے بڑھتا رہا، اخیر میں ندوۃ العلماء کو حضرت العلام سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ذاتِ گرامی میسر آگئی جن کی کوششوں سے ندوۃ العلماء نے ہر میدان حیات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

موصوف نے ندوۃ العلماء کے ناظم اور خادم ہونے کی حیثیت سے اس

انقلابی اقدام کی تجدید کی جس کی تکمیل کا بانیان ندوۃ العلماء نے بیڑا اٹھایا تھا اور آپ کی مخلصانہ کوششوں سے علمی، ادبی اور دعوتی میدان میں قابل استعجاب حد تک کامیابی حاصل ہوئی، اللہ تعالی نے آپ کو عربی زبان اور ادب عربی کی تعلیم کے سلسلے میں جدید پر مغز اور قابل انتفاع نصاب بنانے کی سعادت عطا فرمائی اور یہ پہلا موقع تھا جب ندوۃ العلماء اس سلسلہ میں خود کفیل ہو رہا تھا، آپ نے عربی زبان وادب میں ایک نئے طرز اسلوب کی طرح ڈالی جس نے ہندو بیرون ہند میں اہل قلم کے ہاتھوں پذیرائی حاصل کی۔ جس اسلوب کو ہم بجا طور پر ''دعوتی اسلوب'' اور ادب کو ''ادب الدعاۃ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ گرانقدر علمی اور فکری کتابوں کی تصنیف کی طرف توجہ کی، تحریر میں پھولوں کی شگفتگی، موجوں کی روانی، اور زبان واسلوب کا بانکپن ملحوظ رکھا جس کی اہمیت کے پیش نظر عرب علماء نے پانچویں اور ساتویں دہائیوں کے درمیان نکلنے والے علمی اور ادبی شہ پاروں کے درمیان موصوف کی تصانیف کو اول جگہ دی۔

اس کے بعد موصوف نے عربی صحافت کے میدان میں ایک انقلابی اقدام کیا اور فرزندان ندوۃ العلماء کو ایک خالص عربی میگزین کے اجراء کی دعوت دی۔ چنانچہ یہ خواب اس طرح شرمندۂ تعبیر ہوا کہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ''البعث الاسلامی'' (ماہنامہ عربی میگزین) اور اس کے چار سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں ''الرائد'' (پندرہ روزہ عربی جریدہ) کا اجراء عمل میں آیا اس طرح ندوۃ العلماء

نے صحافت کے میدان میں کامیابی حاصل کی اور دنیا کے گوشہ گ شہ سے مبارکباد کے پیغامات آئے جس طرح ''الضیاء'' نے کبھی عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کیا تھا۔

موجودہ دور ادبی اعتبار سے ندوۃ العلماء کا ''گلابی دور'' ہے، اس میں ماہر ادباء کی ایک کثیر تعداد نکلی جن میں قابل ذکر شخصیتیں یہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم (ناظم ندوۃ العلماء) ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی (سابق استاذ ادب عربی جامعہ عبدالملک جدہ) مولانا محمد الحسنیؒ (ایڈیٹر البعث اسلامی) جناب مولانا واضح رشید ندوی (چیف ایڈیٹر پندرہ روزہ ''الرائد'') ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی (سابق صدر شعبہ عربی حیدرآباد یونیورسٹی) جناب مولانا محمد رضوان ندوی (سابق استاذ زبان عربی بنغازی یونیورسٹی لیبیا) جناب مولانا محمود الحسن ندوی (سابق صدر عربی سیکشن دہلی ریڈیو اسٹیشن) جناب مولانا محمد راشد ندوی (سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیوسٹی علی گڑھ) ڈاکٹر محمد احتشام ندوی (سابق صدر شعبہ عربی کالی کٹ یونیورسٹی) مولانا سید محمد لقمان ندوی (سابق استاد کلیۃ حائل سعودیہ عربیہ) ڈاکٹر محمد اسماعیل (استاذ عربی ادب لیبیا) جناب مولانا ضیاء الحسن ندوی (سابق شعبہ عربی جامعہ ملیہ دہلی) جناب محمد لقمان خاں ندوی (استاذ شعبۂ عربی لیبیا) جناب محمد یونس نگرامی ندوی (سابق استاذ شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی)۔

ندوۃ العلماء کی کوششوں کے سبب ادب عربی کا میدان اب وسیع

ہوتا جارہا ہے۔ مقام مسرت ہے کہ آج سے ایک صدی پہلے ندوۃ العلماء نے جس بات کی صدا لگائی تھی اب وہ آواز بیگانی نہ رہی اور اب ندوۃ العلماء بجا طور پر یہ کہہ سکتا ہے۔ ع

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
''ہم نوا'' آتے گئے اور کارواں بنتا گیا